

(گذشتہ سے پیوستہ)

محسن انسانیت (ﷺ)

مخالفین کے طوفان سے گزرتے ہوئے

مدنی دور

نعمی صدیقی

مفسدانہ پروپیگنڈے کا محاذ | جمود پسند فاسد عناصر جب کسی دعوت اصلاح و تعمیر سے دوچار ہوتے ہیں تو پھر ہمہ تن اس کے علم برداروں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ خود تو کچھ کرنا نہیں ہوتا اور خدا و خلق کی طرف سے کسی طرح کی ذمہ داریاں تسلیم نہیں ہوتیں، اس لیے ساری ذہانتیں اور قوتیں باسانی منفی مصرف میں لگا دی جاتی ہیں۔ یہ عناصر غول بن کر داعیان اصلاح و تعمیر کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں، دور بینیں اور خورد بینیں لگ جاتی ہیں اور پیمانے اور مسطر بنجھال لیے جاتے ہیں۔ ہر آن بات بات کا تجزیہ ہوتا ہے۔ ایک ایک واقعہ کا گہرا جائزہ لیا جاتا ہے، ہر ہر معاملے کی چیر بھاڑ ہوتی ہے۔ کوئی ٹیڑھ ادھر سے نکالی جاتی ہے، کوئی کچی ادھر سے تلاش کی جاتی ہے اور پھر ڈونڈی پیٹ پیٹ کر اعلان کیا جاتا ہے کہ لوگو! دیکھو یہ گمراہی ہے، یہ فساد ہے، یہ کفر ہے، یہ اسلاف دشمنی ہے، یہ بزرگوں کی توہین ہے، یہ اکابر پر تنقید ہے۔ چنانچہ اندھی مخالفت کے نشے میں بہک کر جب کسی بھلے آدمی اور اس کے مفید انسانیت کام کو نقصان پہنچانا مطلوب ہوتا ہے تو پھر ایک طرف ہر بھلی سے بھلی بات کے اندر سے کیڑے نکال کر دکھائے جاتے ہیں اور دوسری طرف اس کام کے کرنے والوں سے ذرا سا بھی سہو ہو جائے تو بات کا بنگرہ بنا کر رائے عام کا طوفان اٹھا دیا جاتا ہے۔

سب سے زیادہ زریں مواقع تخریبی عناصر کے لیے وہ ہوتے ہیں جب کوئی بات یا کوئی واقعہ عام لوگوں کے غلط توہمات اور معتقدات اور مسلمہ رسمیات کے خلاف ہو جائے۔ خواہ وہ بجائے خود کتنا ہی برحق اور اقرب الی الصواب کیوں نہ ہو! یہ ظاہر ہے کہ اصلاحی، تعمیری اور انقلابی تحریکوں کو عوام کے بہت سارے مسلمات کے بتوں کو توڑنا ہوتا ہے، اس لیے مخالفانہ پروپیگنڈے کے لیے نت نئے موضوعات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہی صورت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کو یہودی کی طرف سے درپیش تھی۔ صبح شام ایک نہ ایک راولا چتا رہتا اور ایک نہ ایک شتہار باز ہوتی رہتی۔

ہویں منصب کا الزام | کسی علم بردار حق کے دامن خلوص پر نفسانیت کے دھبے ڈالنے کے لیے مخالفین نے ہر دور میں ایک الزام یہ رکھا ہے کہ یہ شخص کچھ بننا چاہتا ہے، کوئی منصب حاصل کرنے کے درپے ہے، اپنا کوئی مقام بنانا چاہتا ہے۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے خلاف یہی پروپیگنڈہ کیا گیا کہ یہ لوگ اپنی حکومت چھانا چاہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے خلاف غوغا کیا گیا کہ یہ صاحب تو یہودیوں کا بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اسی طرح وفدِ نجران کی آمد کے موقع پر سرور عالمؐ کے خلاف یہودیوں نے ایک پروپیگنڈہ یہ بھی اٹھایا کہ یہ ساری جان ماریاں تو بس اس غرض سے ہیں کہ جو مقام عیسیٰ علیہ السلام کا چلا آرہا ہے وہ آپ کے قبضے میں آجائے اور عیسائیوں اور دیگر لوگوں کو آہستہ آہستہ گھیر کر اپنی پرستش میں لگایا جائے۔ غور فرمائیے، حضورؐ نے اس طرح کا کبھی کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا، ایسے منصب کی طلب کا اشارہ تک نہیں دیا تھا، لیکن مخالف طاقت نے خود ہی اپنے ذہن سے ایک طوبار گھڑ لیا اور اپنی جاگے کر لیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تو یہ ہے کہ عیسیٰ بن کر پوجا کرائیں۔ دعویٰ نہ کیا ہو تو نہ سہی، دل میں اسی کے ارادے ہیں۔ ابھی یہ ارادے سامنے نہیں آئے تو کیا ہوا، آثار بتا رہے ہیں کہ کبھی نہ کبھی یہ سامنے آکر رہیں گے۔ وفدِ نجران کے ارکان کے کان ان فضولیات سے بھرے گئے ہوں گے، جبھی تو اس وفد کے ایک رکن ابو رافع قرظی نے یہ سوال حضورؐ سے کھلم کھلا دریافت کیا کہ ”کیا آپ ہم سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اس طرح پوجا کریں

جیسے نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں؟۔ وفد کے ایک دوسرے رکن الزبیر (یا الزبیر) یا الزبیر (یا الزبیر) نے بھی پوچھا کہ: ”اے محمد! کیا آپ ہم سے یہی چاہتے ہیں اور اسی کے لیے دعوت دیتے ہیں؟“ آپ نے جواب دیا: خدا کی پناہ، اس بات سے کہ میں خدا کے سوا کسی اور کی بندگی کروں یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کی دعوت دوں۔ پس مجھے خدا نے اس مقصد کے ساتھ نہیں اٹھایا ہے اور نہ مجھے اس کا حکم دیا ہے۔“ لے قرآن بھی اس موقع پر پکارا تھا کہ ”کسی انسان کا یہ منصب نہیں ہے کہ خدا سے کتاب اور حکمت اور نبوت سے سرفراز کرے تو پھر وہ لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ۔“

مسئلہ مذہبی شعائر کی بے حرمتی کا الزام قائد انسانیّت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کر کے چلے آنے پر مکہ میں انتقامی جذبات نے نئی کر دٹ یعنی شروع کر دی تھی اور براہ جنگی کارروائی کے لیے سوچا جا رہا تھا۔ ان کے جاسوس مدینہ کے اطراف میں گھومتے تھے، ان کا سلسلہ نامہ و پیام خفیہ طور پر یہودی مدینہ کے ساتھ شروع ہو چکا تھا اور ان کے فوجی دستے وقتاً فوقتاً اسلامی ریاست کے حدود اثر تک پہنچنے لگے تھے۔ اس کے جواب میں اسلامی ریاست نے بھی اپنا نظام دیدہ بانی ہر سر عمل کر دیا۔ فوجی اور غیر فوجی پارٹیاں گشت کے لیے نکلتیں اور قریش کے جاسوسوں اور فوجی دستوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لیتی رہیں۔ مدینہ اپنی اس نقل و حرکت سے قریش کو ایک طرف یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ ہم سوائے نہیں پڑے ہیں اور ساتھ ہی یہ اندیشہ دلانا بھی مقصود تھا کہ اگر تم نے امن کی فضا کو خراب کر دیا تو پھر تمہارے تجارتی قافلوں پر یہ شاہراہ بند ہو جائے گی۔

اسی نظام دیدہ بانی کے تحت جب سلسلہ میں آٹھ آدمیوں کا ایک دستہ قریش کی نقل و حرکت اور ان کے آئندہ منصوبوں کا جائزہ لینے کے لیے قائد انسانیّت نے روانہ فرمایا۔ اس دستہ کو کسی جنگی کارروائی کا مجاز نہیں ٹھہرایا گیا تھا۔ لیکن ان کی ٹڈ بھڑ قریش کے ایک چھوٹے سے تجارتی قافلے سے ہوئی تو اس عالم تقابل میں باہمی ذہنی کھچاؤ ایسے نقطہ تک جا پہنچا کہ اسلامی ریاست کے دستے نے حملہ کر کے ایک

آدمی کو قتل کر دیا، بقیہ کو گرفتار کر کے مال و اسباب سمیت مدینہ لے آئے۔ یہ واقعہ چونکہ رجب کے خاتمے اور شعبان کے آغاز کے دوران میں کسی وقت ہوا تھا اس لیے اشتباہ و التباس کے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ایک طرف مکہ کے مشرکین نے اور دوسری طرف مدینہ کے یہود و منافقین نے پروپیگنڈہ کا طوفان کھڑا کر دیا۔ انہوں نے اس واقعہ کو قطعی طور پر شعبان سے متعلق کر کے عوام کو اشتعال دلانے میں پورے زور سے کام لیا۔ وہ کہتے پھرتے تھے کہ ”یہ لوگ چلے ہیں بڑے اشر و آلے بن کر اور حال یہ ہے کہ باہ حرام تک میں خوں ریزی سے نہیں چھوکتے“ لے اس پروپیگنڈہ کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں بہت ہی نقصان دہ تھا۔ یہ مختصر سی نوخیز طاقت جو چار طرف سے دشمنوں اور خطر دں میں گھری تھی اور جس کے لیے کسی بھی فرد اور کسی بھی عنصر کی حمایت بڑی قیمتی تھی، اس کے بارے میں عرب میں اس تاثر کا پھیل جانا کہ وہ حرام مینوں کا احترام ختم کیے دے رہی ہے درناجائیکہ اس صورت پر ہی عرب کے دینی اور معاشی نظام کا دار و مدار تھا۔ اس کے حامیوں کو اس سے کاٹ کر اس کے مخالفوں میں دھکیل دینے والا تھا۔ پھر چونکہ اس معاملے کا تعلق عوام کے نازک مذہبی جذبات سے تھا، اس لیے یہ وجہ اشتعال بھی تھا۔ خصوصیت سے یہ پروپیگنڈہ مسلمانوں کی خدا پرستی اور دینداری اور اخلاقی لحاظ سے ان کے ذمہ دارانہ پن پر ایک کاری ضرب کی حیثیت رکھتا تھا۔

نخلہ کا یہ ایک حادثہ ایک اور وجہ سے خود اسلامی ریاست کی نگاہ میں ناپسندیدہ قرار پایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دتے کو کسی طرح کے تصادم کا اختیار نہیں دیا تھا۔ بغیر باضابطہ اختیار کے اس دتے نے ایک ایسا قدم اٹھا دیا جو اسلامی ریاست کے اُس پورے منصوبے کو متاثر کرنے والا تھا جو حفاظت اور دید بانی کی غرض سے پیش نظر تھا اور جس کے مطابق بڑی احتیاط سے مہر کار ردائی کی جارہی تھی۔ اب چونکہ نخلہ کا حادثہ سرے سے ایک بے ضابطہ اور غیر قانونی کارردائی تھی، لہذا اُن حضور نے متعلقہ افراد سے سختی سے باز پرس کی اور ان کی تادیب کی اور گرفتار شدہ جنگی قیدیوں کو قبول کرنے اور ان کے اموال کو بیت المال میں لینے سے انکار کر دیا۔

اسلامی ریاست نے اپنے نظم کے تحت اس بے ضابطہ کارروائی پر جو کارروائی مناسب تھی وہ تو اپنی جگہ کر دی، لیکن مخالفین نے مفسدانہ پروپگنڈے کا جو طوفان اٹھادیا تھا اس کا مقابلہ زیادہ مضبوط اور مدلل اور اخلاقی اثر رکھنے والے صاف ستھرے پروپگنڈے سے کیا۔ خود اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس کا جواب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان الفاظ میں دلویا کہ:-

”لوگ پوچھتے ہیں کہ ماہِ حرام میں لڑنا کیسا ہے! اے پیغمبر کہیے کہ اس میں لڑنا بہت بُرا ہے، مگر راہِ خدا سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجدِ حرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ بُرا ہے! — اور فتنہ خونریزی سے شدید تر ہے!“ (البقرہ — ۲۱۷)

صاف معلوم ہوتا ہے کہ تحریک کے مخالفین کے اس طوفانی پروپگنڈے سے جو اسلامی جماعت کے ارکان متاثر ہوئے اور پریشانی میں مبتلا ہو ہو کر انہوں نے سوالات کیے کہ ماہِ حرام میں جنگی کارروائی کرنا اسلامی نظریہ و قانون کی روشنی میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ جن لوگوں پر نیکی اور صلح پسندی کا ایک غیر متوازن تصور زیادہ پر تو افکن تھا اور جو ذرا سی مخالفت سے گھبرا اٹھتے تھے، ان کو خاص طور پر تشویش ہونے لگی تھی کہ کہیں ہم روج دیں اور جو ہر تقویٰ کو ہاتھ سے دیتے تو نہیں جارہے اور کہیں ہم سیاست زدہ ذہن کے تحت اپنے اصل مقصد سے دور جا کر عام لوگوں کو خود ہی تو دور نہیں دھکیلتے جارہے سو اس طرح کے افراد کی پریشانی غیر معمولی نوعیت رکھتی تھی۔ ان کا دلی اطمینان متزلزل ہو چلا تھا۔ لہذا وہ خصوصیت سے اس معاملے میں اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے۔ سوالات کے پیچھے یہ ذہن خاص طور پر متحرک تھا۔ اس کو سامنے رکھتے ہوئے دشمنانِ تحریک کو بھلور جواب دیا گیا۔ فرمایا کہ مشرکین مکہ جو خود تو راہِ خدا سے روکنے اور اللہ سے کفر کرنے اور زائرتینِ حرم کا راستہ روکنے اور باشندگانِ حرم کو حدودِ حرم سے تنگ کر کے نکالنے کے مجرم ہیں، اب وہ ماہِ حرام کی حرمت کے محافظ بن کر کس منہ سے میدان میں آ رہے ہیں۔ اس میں یہود اور منافقین کے لیے یہ خطاب مضمحل تھا کہ تم جو اہل مکہ کے ان سارے مظالم اور دینی شعائر کی حرمتوں کو توڑ دینے والی کارروائیوں پر منہ میں گنگنیاں ڈالے پڑے رہے ہو

اور آج بھی تم کو اس بارے میں کچھ احساس نہیں ہے، واقعہ نخلہ کے سلسلے میں مسلمانوں کی ایسا یہی اتفاقی کارروائی پر کا ہے کو نگہدار شائزن کر اٹھ کھڑے ہوئے ہو جس کے لیے نظام ریاست کی طرف سے باقاعدہ اجازت نہیں دی گئی بلکہ چند افراد کی نادانی سے ایک اقدام ہو گیا، چنانچہ اس کے نتائج کو قبول کرنے سے ریاست کے سربراہ نے انکار کر دیا اور متعلقہ افراد کو سخت تادیب بھی کر دی۔

اس واقعہ کے تاریخی آئینے میں دیکھا جاسکتا ہے کہ اہل حق کے دشمن کس طرح گھات لگائے بیٹھے رہتے ہیں کہ کہیں سے ان کو کوئی رخنہ ملے اور وہ اس سے حملہ کر دیں اور کہیں کوئی سہواور بے احتیاطی کام کرنے والوں سے سرزد ہو اور وہ فوراً اس کو دنیا بھر میں اپنی حاشیہ آرائیوں کے ساتھ اُچھال دیں۔

جہاں ہر ہر لمحہ ہر ہر معاملے میں اس طرح غلط فہمیوں اور بدگمانیوں اور اشتعال انگیزیوں کے طوفان اٹھائے جاتے ہوں گے، وہاں اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دشمنوں میں گھری ہوئی ننھی سی ریاست اور اس کو وجود میں لانے والی انقلابی تحریک اور اس تحریک فلاح انسانیت کے قاعدہ پر کیا گذرتی ہوگی۔ شکوک و شبہات، شرپسندانہ اعتراضات اور کارکنوں کو ذہنی طور پر الجھا دینے والے سوالات فضا میں بھنگوں کی طرح اڑتے پھرتے ہوں گے اور زمین پر برسات کے کیڑوں کی طرح ہر طرف رینگتے دکھائی دیتے ہوں گے۔ لیکن بھنگوں اور کیڑوں کی نقل و حرکت نے کبھی کسی اصول و کردار رکھنے والی طاقت کے فاتحانہ اقدام کو روکنے میں کامیابی نہیں حاصل کی۔

دین کے پرے میں نفسانیت کا الزام اہم یہ بتا چکے ہیں کہ اسلام کی نافذ کردہ اصلاحات میں سے ایک ایک پر یہودی مولویوں اور مفتیوں نے نامعقول قسم کے ہنگامے بپا کیے تھے۔ بہت بڑی اصلاح منہ بوئے بیٹوں کے مقام اور حقوق کے سلسلے میں نافذ کی گئی۔ چنانچہ اس پر مخالفانہ پروگنڈے کا ہنگامہ بھی زور شور کے ساتھ اٹھایا گیا۔

ایک اہم تاریخی روایت سابق مذہبی و معاشرتی تصورات کے مطابق یہ چلی آ رہی تھی کہ متبنی دمنہ بولے بیٹے الکی مطلقہ سے حقیقی ہو کی طرح نکاح کرنا ناجائز ہے۔ اس روایت کو ختم کرنے کے لیے مشیت الہی نے

واقعات کو بڑی عجیب و غریب صورت سے نشوونما دی اور پھر ایک انقلابی نتیجے تک پہنچایا۔ ہوا یہ کہ زیدؓ جو دس برس کی عمر میں غلام بن کر بکے تھے اور جن کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کر اپنے سایہ شفقت میں لے لیا تھا، وہ حضورؐ کے گھر میں متبشی کی حیثیت رکھتے تھے۔ بعد میں زید کے باپ ابو بھائی ان کو لینے آئے اور حضورؐ نے اذن بھی دیا کہ چاہو تو جاسکتے ہو لیکن زید کو آپؐ سے اب اتنی گہری محبت ہو چکی تھی کہ اس رشتے کا ٹوٹنا گوارا نہ ہوا۔ زید چونکہ اصلاً اشراف عرب میں سے تھے، اس لیے مکہ کے کچھ بزرگوں نے جناب زینبؓ (حضورؐ کی چھوٹی زاد تھیں) کو ان کے نکاح میں دینا تجویز کیا لیکن زینب کے بھائی اس پر راضی نہ ہوئے، کیونکہ نکاح کے لیے جو معیار اور پیمانے اس ماحول میں رائج تھے ان پر یہ جوڑ پورا نہیں اترتا تھا۔ جاہلی ذہن کی نگاہ میں حضرت زیدؓ کے دامن حیات پر گویا غلامی کے دھبے کا اثر بھی باقی تھا اور پھر ان کی بے سروسامانی بجائے خود ایک نقص تھی۔ اسلام آیا تو اس نے اس ذہن کو بھی بدلنا ضروری سمجھا اور محسن انسانیتؐ نے خاندانی امتیازات کی روکیں نکاح و ازدواج کے راستے سے ہٹا کر پورے اسلامی معاشرے کو ایک خاندان میں بدل دینے کی کوشش فرمائی۔ چنانچہ فی الواقع یہ دیواریں قطعی طور پر ڈھس گئیں اور ”کفو“ کا ایک نیا مفہوم پیدا ہو گیا۔ آپؐ نے بڑی تاکید سے لوگوں کا ذوق نگاہ بدلا اور ان کو سکھایا کہ عورتوں کو نکاح میں لینے کے لیے مرتبہ اول پر ان کے دین اور ان کے کردار کو دیکھو، باقی چیزوں کا لحاظ بعد میں ہے۔ ایک موقع پر تو یہ بھی فرمایا کہ اگر دین و کردار کے بجائے کوئی دوسرا معیار اختیار کر دگے تو معاشرت میں بڑا فساد واقع ہو جائے گا۔ اس طرح ”کفو“ کا نیا تصور یہ بنا کہ ازدواجی جوڑا اس لحاظ سے بننا چاہیے کہ اصل مقصد زندگی میں کون بہترین ساتھی بن سکتا ہو اور کس کے ساتھ ذہنی اور ذوقی سازگاری زیادہ سے زیادہ ممکن ہے۔ اور بے شمار بلکہ اکثر مثالیں اسی نئے رجحان کے مطابق عملاً ہونے لگیں۔ اس ذہنی و معاشرتی تبدیلی کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے کہ حضرت ابو طلحہؓ نے نہانہ کفر میں حضرت اسمؓ کو نکاح کا پیغام بھیجا، درآن جانبکہ موصوفہ اسلام لاچکی تھیں۔ انہوں نے جواب میں کہلایا کہ تم ٹھیرے کا فراور میں ہوں کہ اسلام لاچکی ہوں، اب دو متضاد زندگیاں کیسے جمع ہو سکتی ہیں۔ ہاں اگر اسلام قبول کر لو تو میں تم سے بجز قبول اسلام کے اور کوئی مہر بھی نہ لیں گی۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رشتہ خود اسمِ مسلم نہ کو بھی مرغوب تھا، لیکن اسلام نے ایسا انقلابی رجحان پیدا کر دیا تھا کہ انہوں نے دل پر پتھر رکھ کر انکار کر دیا مگر ساتھ ہی ترغیبِ اسلام بھی دلا دی۔ آخر ابو طلحہؓ نے اسلام لے آئے۔ نکاح ہوا اور فی الواقع ان کا اسلام ہی سر قرار پایا۔ (موطائے امام مالکؒ) غرض کہ معاملہ ازدواج میں ذوق اور معیار کی تبدیلیاں آ رہی تھیں۔ پھر بھی کچھ رکاوٹیں باقی تھیں۔ انہی کے سبب حضرت زینبؓ کے بھائی عجزہ کلج پر تیار نہ ہوئے۔ حضورؐ بھی چاہتے تھے کہ یہ نکاح ہو۔ لیکن جب اس میں مجرد ایک جاہلی جج کا رکاوٹ بنا تو یہ چیز خدا و رسول کی نگاہ میں ناپسندیدہ قرار پائی۔ اس سلسلے میں اشارۃً سورہ احزاب میں گرفت کی گئی۔ ملاحظہ ہو آیت اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ اَجْرًا عَظِيْمًا (آیت ۳۵)

اس آیت کی اصل سپرٹ یہ ہے کہ اسلامی نظریہ اور اسلامی ذہن اور اسلامی کیریئر رکھنے والے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ہم سر اور ہم دوش ہیں اور ان میں قرابت و مودت ہے، یہ ایک دوسرے کے لیے قابلِ قدر ہیں، کجا کہ ان کے بیچ میں خاندانی امتیازات اور فضل و شرف کے جاہلی تصورات آ کے حائل ہوں۔ مگر اشارہ بس اتنا ہی نہیں تھا۔ اگلی آیت بڑی سخت تھی۔ اس میں کہا گیا تھا کہ جب اشرار اس کا رسول کسی معاملے کو کسی شکل میں طے کر دیں تو پھر کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ پھر اس فیصلے کے مقابلے میں اپنی پسند و ناپسند اور اپنے معیارات کو کوئی اہمیت دیں۔ اس طرح کسی جو لوگ خدا و رسول کی نافرمانی کرتے ہیں تو وہ بہت دوزخ بھٹک گئے۔ (احزاب ۳۶) مطلب یہ تھا کہ جب ایک مسلم اور مسلمہ کے درمیان رشتہ ازدواج کے قیام کے لیے دروازے کھول دیے گئے ہیں تو اب اپنے راستے میں پرانے جاہلی تصورات کو اہمیت دے دے کر حائل کرنا خدا و رسول کی رہنمائی اور ان کے فیصلوں کے مقابلے میں ایک طرح کی خود سری ہے اور ایسی خود سری گمراہی پر منتج ہوتی ہے۔ چوٹ بڑی سخت تھی اور ٹھیک نشانے پر لگی۔ زینبؓ کے بھائی ان آیات کو سن کر اشاروں میں بات پا گئے اور نکاح کے لیے تیار ہو گئے۔ گویا شرف و ذلت کے جاہلی معیار کی ایک زنجیر ٹوٹ گئی۔